وہاب اشرفی کا افسانوی تنقید میں اختصاص

ڈاکٹر محمد ابوبکر فاروقی
لیکچرار اُردو
یونیورسٹی آف گجرات، گجرات

WAHAB ASHRAFI'S DISTINCTION
AS FICTION CRITIC

Muhammad Abu Bakar Faroqi, PhD
Lecturer in Urdu,
University of Gujrat, Gujrat

Abstract

Wahab Ashrafi is considered one of the critics of first rank in Urdu language. He has studied Urdu fiction and has deep insight into the criticism of Urdu literature. He is one of the modern and prominent critics particularly of Urdu Fiction. His understanding and views on criticism of fiction are unique and hence demand serious considerations. This article is a study of Wahab Ashrafi's thoughts and contribution to criticism of Urdu fiction.

Keywords:
منٹو، راجندر سنگھ بیدی، وہاب اشرفی، اردو، افسانے، فکشن، جدیدیت، معنی کی تلاش، اُردو فکشن اور تیسری آنکھ

وہاب اشرفی اردو افسانے کے اہم ناقدین میں شمار ہوتے ہیں۔ اگر چہ انھوں نے شاعری پر بھی خوب لکھا ہے اور اُردو ادب اور عالمی ادب کی تاریخ لکھ کر ادبی مؤرخین میں بھی اپنا نام لکھوایا ہے مگر فکشن پر لکھے گئے ان کے مضامین اور کتابوں کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ افسانے پر ان کی نظر گہری اور مطالعہ وسیع ہے جس کی وجہ سے افسانے کی تنقید میں ان کا نام بھی ایک معتبر حوالہ ہے۔ وہ ادب کو ایک تسلسل اور ارتقا کی صورت میں دیکھنے کے علم بردار ہیں اور تغیر و تبدل سے نہیں گھبراتے۔ جدید افسانے پر ان کے کئی مضامین ایسے ہیں جن سے نئی بحثوں کا آغاز ہوتا ہے۔ لیکن اُن کا اصل کمال یہ ہے کہ وہ اُردو افسانہ کے ہر عہد پر اپنی نگاہ رکھتے ہیں اور صرف نگاہ ہی نہیں رکھتے بلکہ اُس کا ایسا ناقدانہ تجزیہ کرتے ہیں کہ اُردو افسانے کی بابت ایک نئی بصیرت اور ایک نئی آگہی جنم لیتی ہے۔ ''معنی کی تلاش''، ''آگہی کا منظر نامہ''، ''اردو فکشن اور تیسری آنکھ''، ''راجندر سنگھ بیدی کی افسانہ نگاری'' اور ''مابعد جدیدیت'' ایسی کتابوں ہیں جن میں وہاب اشرفی کے اردو افسانے پر تنقیدی مضامین شامل ہیں۔

وہاب اشرفی ان ناقدین میں سے ہیں جو صنف افسانہ کی عظمت کے قائل ہیں کیوں کہ اُن کے نزدیک ''اس صنف نے انسان کے خارجی و داخلی احوال کی عکاسی میں اہم خدمات انجام دی ہیں اور اس کے بدلتے ہوئے تیور سے اندازہ ہوتا ہے کہ مستقبل میں نجی و ذاتی کوائف کے اظہار کا مؤثر ادبی ذریعہ یہی صنف ثابت ہوگی۔''(۱)

وہ اردو افسانے کو اُس کی روایت کے تناظر میں رکھ کر دیکھنے کے قائل ہیں اور شاید یہ ممکن بھی نہیں کہ کسی روایت کے بغیر کسی صنف کا معنی خیز مطالعہ کیا جا سکے کیوں کہ زبان اور ادب؛ وقت کے ایک تسلسل اور مسلسل بہاؤ میں ہی بامعنی ہونے کا اعتبار حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرزِ مطالعہ کا نتیجہ ہے کہ وہاب اشرفی نہ صرف موجودہ اُردو افسانے کو سمجھنے میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے بلکہ ابتدائی اُردو افسانوں میں رومانوی اور ماورائی عناصر کا، کہ جن پر ناقدین اکثر معترض رہتے ہیں، جواز بڑے مدلّل انداز میں پیش کرنے میں بھی کامیاب ہوئے۔ لکھتے ہیں:

> ''اردو افسانے کی ایک مربوط اور ارتقا پذیر تاریخ رہی ہے اس لیے کسی معینہ عہد کے افسانوں کا تنقیدی جائزہ روایت کے سلسلے کو پس پشت ڈال کر ممکن نہیں، اردو افسانے کے خمیر میں رومانی عنصر کا قصہ خاصا پرانا ہے، داستانی رنگ و آہنگ کا دخل عمل ہمارے ابتدائی افسانوں میں ناگزیر سا رہا۔ دراصل ہماری ارضی زندگی کی بے سروسامانی بلکہ بے کیفی ہمیں خلا میں بھٹکنے پر مجبور کرتی ہے اور ایک یوٹوپیا کی تعمیر لازمی نتیجے کے طور پر ہمارا مطالبہ بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کے ابتدائی افسانے فضا میں معلق معلوم ہوتے ہیں اور محسوس کی ہوئی زندگی سے خاصا بُعد رکھتے ہیں۔''(۲)

لہٰذا ابتدائی دنوں میں اردو افسانہ بقول وہاب اشرفی ''سر کے بل کھڑا تھا'' اور یہ پریم چند تھے جنھوں نے اسے پاؤں پر کھڑا کرنے کی سعی کی اور افسانے کی صنفی حیثیت مستحکم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اگرچہ انتظار حسین کا پریم چند کے بارے میں خیال ہے کہ وہ ''اردو افسانے کی ٹیڑھی اینٹ ہیں'' (۳) لیکن وہاب اشرفی کے نزدیک پریم چند کا کفن، افسانوی فن کا لافانی نمونہ بن گیا جس میں مواد اور ہیت کی ایسی آمیزش کی گئی کہ بہت دیر تک دیکھنے کو نہ ملی۔ اس کے بعد کرشن چندر، منٹو، عصمت اور راجندر سنگھ بیدی ایسے افسانہ نگار تھے جنھوں نے اردو افسانے کو کئی جہات سے روشناس کیا اور پھر افسانہ قرۃ العین حیدر اور غیاث احمد گدی وغیرہ سے ہوتا ہوا جدید افسانہ نگاروں تک آتے آتے کئی موڑ لیتا ہے اور صالح روایت بناتا ہے۔

منٹو کے افسانہ ''پھندے'' کی انفرادیت کی وجہ سے بیش تر ناقدین نے اس افسانہ کو اپنی بحث کا موضوع بنایا ہے اور اس کا رشتہ جدیدیت سے جوڑ کر اس کو سمجھنے کی کوششیں کی ہیں۔ وہاب اشرفی نے نہ صرف یہ کہ اس کا معنوی تجزیہ بڑی گہرائی میں جا کر کیا ہے بلکہ وہ منٹو کے اس افسانہ کو جدید اُردو افسانے کا نقطۂ آغاز بھی تصور کرتے ہیں اور اس ضمن میں اسے نہایت اہم افسانہ سمجھتے ہیں۔ اسی لیے وہ اس افسانہ کا مفصل تجزیہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> ''منٹو حیرت انگیز طور پر اپنے ہم عصر افسانہ نگاروں میں فنی اور فکری سطح پر پختہ تر ذہن کا مالک نظر آتا ہے۔ آج جو اردو افسانے میں نئی تکنیک ابھرتی جا رہی ہے اس کا رشتہ اگر ''پھندے'' سے جوڑا جاتا ہے تو یہ غلط نہیں ہے بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ فنی اور تکنیکی اعتبار سے بھی منٹو کو تجربے کے اظہار میں فوقیت حاصل ہے۔'' (۴)

راجندر سنگھ بیدی پر اگرچہ اُردو ناقدین نے کافی حد تک کم لکھا ہے مگر جنھوں نے لکھا ہے بہت ڈوب کر لکھا ہے۔ پرانے لکھنے والوں میں آل احمد سرور اور اوپندر ناتھ اشک کے ساتھ ساتھ نئے لکھنے والوں میں گوپی چند نارنگ، وارث علوی، قمر رئیس، باقر مہدی، اسلوب احمد انصاری، اصغر علی انجینئر، فضیل جعفری اور شمس الحق عثمانی جیسے ناقدین اور محققین کی تحریریں بہ طور خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ بیدی کی تفہیم کو نئی راہیں عطا کرنے میں بلاشبہ ان ناقدین کا بہت اہم ہاتھ ہے۔ وہاب اشرفی کو بھی بیدی سے خصوصی دلچسپی رہی۔ اگرچہ وہ بیدی پر کوئی تفصیلی اور بہت گہرا کام تو نہ کر سکے مگر ایک محدود دائرے میں رہ کر کچھ منفرد نکات ضرور اُردو کی افسانوی تنقید کو عطا کر دیے جن سے صرفِ نظر کرنا اب ممکن نہیں۔

بیدی کے افسانوی مجموعہ ''اپنے دکھ مجھے دے دو'' کی روشنی میں وہاب اشرفی نے بڑی جامعیت سے بیدی کی افسانہ نگاری کا جائزہ لیا ہے۔ انھوں نے بیدی کے اس مجموعہ کے افسانوں کے تجزیاتی مطالعے سے بیدی کے افسانوی فن کو مجموعی سطح پر اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے جس میں وہ بڑی حد تک کامیاب رہے ہیں۔ بیدی کی افسانہ نگاری سے متعلق ایک بنیادی نتیجہ جو خاصا غور طلب ہے، وہاب اشرفی نے یوں بیان کیا ہے:

> ''راجندر سنگھ بیدی نے زندگی کی بڑی اونچ نیچ دیکھی، پنجاب کے خوش حال قصبوں اور

بدحال لوگوں کی بپتا، نیم تعلیم یافتہ حلقوں کی رسمیں، رواداریاں، کش مکش اور نباہ کی تدبیریں پرانی دنیا نئے خیالات کی آمیزش، نئی نسل اور اردگرد کے بندھنوں کی آمیزش---- ان سب میں بیدی نے دہشت کی بجائے نرمیوں کو چن لیا۔ 'نرمیاں' اپنے پورے اور پیچیدہ مضمون کے ساتھ ان کا مطالعہ کائنات کا اصل اصول اور مرکزی نقطہ ہے۔ بھیانک میں بھلمنساہٹ کو اور ناگواریوں میں سے گوارا کو تلاش کرنا۔ ان کے اندر فن کار کا اصل گُر تو یہ ہے بے دردی سے دیکھنا، بے دردی سے کریدنا، برتنا اور دردمندی سے اُن کو کاغذ (سلولائیڈ) پر اتار دینا۔ اس دکھی آتما کا ایک بڑا کارنامہ ہے جو منفرد بھی ہے اور شاداب بھی۔''(۵)

راجندر سنگھ بیدی کی افسانہ نگاری کے ضمن میں اُن کے افسانوی اسلوب کا ذکر لامحالہ کرنا پڑتا ہے کیوں کہ وہ اسلوب کے حوالے سے اپنی الگ شناخت بھی رکھتے ہیں اور پہچان بھی۔ اسی وجہ سے وہاب اشرفی نے ''اپنے دکھ مجھے دے دو'' کے تمام افسانوں کا تجزیہ کرنے کے بعد پورا ایک باب بیدی کے افسانوی اسلوب کے تجزیہ کے لیے وقف کیا ہے۔ یہاں بھی تنقیدی تکنیک وہی ہے کہ بنیادی رائے بیدی کے اس افسانوی مجموعہ تک محدود نہیں رہی بلکہ یہ رائے بیدی کے مجموعی افسانوی سرمایا کا احاطہ کر لیتی ہے۔ وہاب اشرفی نتیجہ کے طور پر آخر میں لکھتے ہیں:

''بیدی کا اسلوب نمایاں طور پر استعاراتی، اسطوری اور تازہ و پرکار ہے جو نقاد بیدی کی زبان میں پنجابی پن تلاش کرتے ہیں یا اسے کھردرے پن سے تعبیر کرتے ہیں وہ اس نکتے سے واقف نہیں کہ بیدی کے موضوعات کیا ہیں اور ان کی Topography کیسے اسلوب سے ہم آہنگ ہو سکتی ہے۔''(٦)

ترقی پسند افسانے کی ذیل میں وہ کرشن چندر کی دین کا اعتراف بڑے کھلے دل کے ساتھ کرتے ہیں اور اس تنقیدی رویے کو احسن قرار نہیں دیتے جو کرشن چندر کے کمزور افسانوں کی بنیاد پر ان کی فنی قدر و قیمت کا تعین کرتا ہے۔ وہاب اشرفی کے معاصر فکشن کے ایک اہم نقاد وارث علوی نے کرشن چندر کو زد پہ رکھ کر اپنی تنقید کا بڑی شدت سے نشانہ بنایا تھا (۷) لیکن وہاب اشرفی کا اصرار ہے کہ کرشن چندر کی افسانوی حیثیت ان کی اعلیٰ تخلیقات کی بنیاد پر قائم کرنا ہی درست تنقیدی رویہ ہے۔ لہٰذا اس بنیاد پر وہ کرشن چندر کے بارے میں درج ذیل نتیجہ اخذ کرتے ہیں:

''کرشن چندر اردو افسانے میں ایک بڑا نام ہے۔ بعض نئی تنقیدیں ان کے کارناموں پر خاک ڈالنے کی کوشش کر رہی ہیں اور ان کے افسانوی رویہ میں ہزار کیڑے نکالنے کے درپے یہ ایسے نقاد ہیں جو ادب کو اس کے اٹوٹ روایتی سلسلے سے منقطع کرنا چاہتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ کرشن نے ایک بڑے کینوس پر کام کیا ہے اور ہماری تمدنی اور سماجی زندگی کے کتنے ہی نقوش اجاگر کیے ہیں۔''(۸)

وہاب اشرفی بڑے اور روایتی افسانہ نگاروں پر لکھنے کے ساتھ ساتھ ان جدید افسانہ نگاروں کو بھی اپنے مطالعے کا محور بناتے ہیں جن پر عام طور پر ناقدین توجہ نہیں کرتے۔ مثلاً شفیع جاوید اور منظر کاظمی جیسے افسانہ نگاروں کا وہاب نے اچھا تفصیلی مطالعہ پیش کیا ہے اور جدید افسانے میں ان کی دین کو سراہا ہے۔ منظر کاظمی کے افسانوں کے مطالعے سے وہاب نے بڑی اہم رائے مرتب کی ہے۔ اس سے وہاب اشرفی کے جدید افسانے کے بارے میں نظریات کی عکاسی بھی ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں:

''منظر کاظمی کا اپنے عہد کے ان افسانہ نگاروں سے رشتہ نہیں ہے جو نام نہاد علامت نگاری کے نام پر اپنی تخلیق میں لاینحل پیچیدگیاں شعوری طور پر پیدا کرتے رہے ہیں۔۔۔ ایسے میں منظر کاظمی کو میں نے رمز و ایما کا افسانہ نگار قرار دیا ہے بلکہ میں یہاں تک کہوں گا کہ ہر اچھا افسانہ اگر پیچیدہ بھی ہے تو ایک عام سطح پر کہانی پن کی فضا ضرور رکھتا ہے۔''(۹)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہاب اشرفی جدیدیت یا علامت نگاری کے نام پر افسانے میں شعوری پیچیدگیاں پیدا کرنے والے افسانہ نگاروں کے فلسفہ سے متفق نہیں، دوسرا یہ کہ وہ افسانہ میں کہانی کی معروف شکل کے نہ سہی مگر کم سے کم کہانی پن کی فضا کے ہونے کے ضرور حامی ہیں۔

جدیدیت کے بعد مابعد جدید افسانے کا چلن ہوا تو اس عہد کے افسانہ نے زندگی سے اپنا ربط ضبط بڑھایا اور بقول شوکت حیات اس افسانہ نے یہ جان لیا کہ'' زندگی کے علاوہ تمام چیزوں کی فروعی حیثیتیں ہیں۔ زندگی کی بنیادی ماہیت ہی کہانی کے بنیادی جوہر اور تخلیقی بیج کی حیثیت رکھتی ہے جس کی آبیاری کے لیے فروعی سروکاروں کا استعمال کیا جاتا ہے۔''(۱۰)

وہاب اشرفی نے جہاں ترقی پسند اور جدید افسانے کو اپنا موضوع بنایا وہاں مابعد جدید افسانے پر بھی اپنے خیالات کا بھرپور اظہار کیا ہے اور اس عہد کے افسانوں کا تفصیلی مطالعہ کر کے مختلف افسانہ نگاروں اور ان کے افسانوں کی مختلف جہات کو نمایاں کیا ہے۔ وہ مابعد جدیدیت کے ثقافتی پہلو پر زیادہ ارتکاز کرتے ہیں اور بیشتر تخلیقات کا مطالعہ اسی ذیل میں کرتے ہیں اور اسی حوالے سے وہ شمس الرحمٰن فاروقی، جو خود کو جدیدیت سے وابستہ کرتے ہیں، کے افسانوں کے مجموعہ'' سوار اور دوسرے افسانے'' میں شامل افسانوں کو مابعد جدید افسانے قرار دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''میں 'سوار' کے افسانوں کو بڑی اہمیت دیتا ہوں اور ان کی (شمس الرحمٰن فاروقی کی) تخلیقی زندگی کو ایک نئے اور بے حد اہم موڑ سے تعبیر کرتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ افسانے جدیدیت کے کسی اصول پر پرکھے نہیں جاسکتے۔ ان کی حقیقی تعبیر، تفسیر، تفہیم اور پھر عظمت کی تعین صرف مابعد جدیدیت کے کھلے ہوئے اصولوں کے تحت ہی کی جاسکتی ہے۔ چاہے وہ زبان کے حوالے سے ہو یا موضوعات کے اعتبار سے۔''(۱۱)

مابعد جدیدیت اور اُردو افسانہ کے حوالے سے جنم لینے والے تمام مباحث کی غایت سے متعلق وہاب اشرفی کا خیال ہے کہ" جدید تر افسانہ اپنی مٹی اور خمیر سے تشکیل پاتا ہے جس میں ہماری اپنی تہذیب سانس لیتی نظر آتی ہے،اور یہی مابعد جدید رویہ ہے۔"(۱۲) یعنی وہاب اشرفی کے نزدیک ہر وہ نیا اُردو افسانہ جو اپنی تہذیب اور اپنی مٹی سے تشکیل پائے وہ اُردو کا مابعد جدید افسانہ ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اُردو افسانہ نے کس عہد میں اپنی تہذیب اور اپنے خمیر سے اپنی تشکیل نہیں کی؟اور اگر یہ سچ ہے کہ اُردو افسانہ نے ہر دور میں اپنی تہذیب سے مضبوط رشتہ استوار رکھا ہے اور اپنی مٹی کی خوشبو سے ہی اپنی تشکیل وتعمیر کی ہے تو پھر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہر عہد کا اُردو افسانہ مابعد جدید افسانہ کہلائے گا؟اور اگر نہیں تو کیوں نہیں؟

بہر حال سوالات اور بحثیں اپنی جگہ،مگر ہم دیکھتے ہیں کہ وہاب اشرفی اردو افسانے پر ابتدا سے لے کر مابعد جدید عہد تک نظر رکھتے ہیں اور ان کی اس نظر میں ہر مقام پر ہم دردانہ پن کا احساس ہوتا ہے اور ان کے تجزیوں میں ان کے خلوص کی گرمی محسوس ہوتی ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) وہاب اشرفی،پروفیسر:"اردو افسانہ۔کل اور آج"،مشمولہ" اردو فکشن اور تیسری آنکھ"،دہلی،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،۱۹۹۸ء،ص:۳۰

(۲) ایضاً"اردو افسانہ۔کل اور آج"،مشمولہ"آگہی کا منظر نامہ"،دہلی،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،۱۹۹۲ء،ص:۱۵۸

(۳) انتظار حسین:"علامتوں کا زوال"،لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۸۳ء،ص:۵۱

(۴) وہاب اشرفی،پروفیسر:"علامت اور منٹو کا افسانہ پھندنے"،مشمولہ"آگہی کا منظر نامہ"،ص:۱۳۵

(۵) ایضاً"راجندر سنگھ بیدی کی افسانہ نگاری"دہلی،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،۲۰۰۵ء،ص:۳۸

(۶) ایضاً،ص۸۷

(۷) تفصیل کے لیے دیکھیے وارث علوی کا مضمون"کرشن چندر کی افسانہ نگاری"،مشمولہ"کرشن چندر کا تنقیدی مطالعہ"،مرتب:مشرف احمد،کراچی،نفیس اکیڈمی،۱۹۸۸ء،ص:۱۶۰تا۲۵۱

(۸) وہاب اشرفی،پروفیسر:"ترقی پسند اردو افسانہ"،مشمولہ"ترقی پسند ادب : پچاس سالہ سفر"،مرتبین: قمر رئیس،سید عاشور کاظمی،دہلی،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،۲۰۰۰ء،ص:۳۴۰

(۹) ایضاً"منظر کاظمی کے افسانوں کا فکری تناظر"،مشمولہ"اردو فکشن اور تیسری آنکھ"،ص:۱۲۶

(۱۰) شوکت حیات:"مابعد جدید افسانہ"،مشمولہ"اردو مابعد جدیدیت پر مکالمہ"،مرتب:ڈاکٹر گوپی چند نارنگ،لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۰ء،ص:۳۲۱

(۱۱) وہاب اشرفی:"مابعد جدیدیت اور اردو فکشن"،مشمولہ"مابعد جدیدیت"،اسلام آباد،پورب اکادمی،۲۰۰۷ء،ص:۲۹۲

(۱۲) ایضاً،ص۳۲۹